ISSN Online: 3006-4708
ISSN Print: 3006-4694
SOCIAL SCIENCE REVIEW ARCHIVES
https://policyjournalofms.com

# The Role of the Muslim Leader in Shaping Economic Policies

Dr. Abdullah Shakir[1]
[1] Advocate High Court Islamabad Pakistan, PhD School of Islamic Banking and Finance, International Institute of Islamic Economics, International Islamic University, Islamabad.

DOI: https://doi.org/10.70670/sra.v3i4.1265

**Abstract**
This study underscores the unique mandate of a Muslim sovereign in the formulation of an Islamic economic policy which must defend the ummah's collective welfare, identity, and financial independence. This paper relies on classical Islamic concepts of dār al-Islām, dār al-ʿahd, and dār al-ḥarb and suggests that contemporary Muslim-majority countries must morally defend and protect one another's economic relationships, regardless of the divided political boundaries. The study draws on a variety of Islamic sources, including on the economic stewardship of Prophet Yūsuf (A.S.), and highlights the importance of *quwwah* and *amānah* as the fundamental characteristics of Islamic leadership. The study examines the consequences of the IMF and World Bank as principal global financial and economic institutions, exposing their policies of economic marginalization and Muslim states' dependency, which is a result of interventions geared toward interest rates. The study contrasts these consequences with an Islamic vision of economic justice and welfare, which aims to protect and preserve wealth, so that Muslim policymakers can ethically pursue the formulation of Shariah-compliant policies. This study attempts to demonstrate that for Muslim societies to be economically free, a reversal from the transformation of an inherently interest-based system is required to the fundamental principles of Islamic economics.

**Keywords:** Muslim Leadership, Islamic Economic Policy, Shariah-Compliant Finance, Economic Sovereignty, Wealth Protection, Global Financial Dependency

## معاشی پالیسی سازی میں مسلمان حکمران کا کردار

اسلام اس دنیا میں بسنے والے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا وہ گروہ جو دارالاسلام میں رہتا ہے، دوسرا وہ جو دارالعہد میں، جبکہ تیسرا ان لوگوں پر مشتمل ہے جو دارالحرب میں رہتے ہیں۔ دارالاسلام سے مراد ایسا ملک ہے جہاں رہنے والے اکثر لوگ مسلمان ہوں، خواہ وہاں کا دستور صد فی صد اسلامی نہ بھی ہو، یا ایسا ملک جہاں مسلمان اکثریت میں تو نہ ہوں لیکن وہاں کا نظام اسلامی شریعت کے تابع ہو۔ دارالعہد سے مراد وہ غیر اسلامی ملک ہے جس کے ساتھ مسلمان ملک امن کے کسی معاہدے میں بندھا ہوا ہو۔ جبکہ دارالحرب سے مراد وہ غیر مسلم ملک ہے جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہو یا جہاں نظام بھی غیر اسلامی ہو، اس کا مسلمان ملک کے درمیان صلح کا کوئی بندھن بھی نہ ہو، اور جہاں پر بسنے والے مسلمان آبادی خوف اور ظلم کا شکار ہوں۔ [1]

اسی درجہ بندی کو مدنظر رکھتے ہوئے آج ان تمام ممالک کو، جو اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے تابع ہیں، دارالعہد کے زمرے میں شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ کسی بھی معاہدے کی پاسداری دونوں طرف سے ہونا ضروری ہے۔ ایسے حالات میں جہاں کوئی غیر مسلم ملک صلح کے

[1] ملاحظہ کیجئیے: مجلة البيان، تأليفات المنتدى الإسلامى http://islamport.com/w/amm/Web/135/3181.htm

اصولوں کو روندتے ہوئے کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہو تو شریعت کے قوانین کے مطابق اسے عالمِ اسلام پر حملہ متصور کیا جائے گا۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوں اور کوئی مسلمان، دارالعہد میں شامل کسی غیر مسلم ملک پر جارحیت کا ارتکاب کرے تو اس کا ہر جانہ بھی تمام مسلمان ممالک کو بھرنا ہوگا۔ اور اگر کوئی اسلامی ملک کسی جارحیت کی بنا پر کسی پابندی کا شکار ہو تو اس پابندی سے اس ملک کو بچانے اور مستقبل میں ایسے کسی جارحانہ اقدام سے اس ملک کو روکنے کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر عائد ہوگی۔ اگر ایسے کسی معاہدے میں شامل کوئی مسلم ملک دیگر کسی غیر مسلم اتحاد میں شامل ہو اور کسی مسلمان ملک کے خلاف سازشوں میں شریک ہو تو ایسے ملک کی حفاظت یا اس کی ترجیحات کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری دیگر مسلمان ممالک پر نہیں ہوگی۔[2]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے اسباب جو ہمیں عموماً تاریخ کی کتابوں میں پڑھنے کو ملتے ہیں وہ مشرکینِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر زندگی کا دائرہ تنگ کرنا، تبلیغ کے امکانات کا ختم ہونا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو درپیش خطرات ہیں۔ ان تمام اسباب کو درست تسلیم کرتے ہوئے جب ہم اس بابت سوچتے ہیں کہ آخر نبیِ رحمہ نے یثرب کا انتخاب ہی کیوں کیا؟ جہاں یہودی بھی آباد تھے جن سے کسی کو خیر کی توقع نہ تھی، اور دوسری طرف مکہ والوں کی طرف سے بھی ہمہ وقت جارحیت کا خطرہ موجود تھا۔ ان حالات میں زیادہ مناسب یہ نہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبشہ چلے جاتے یا جزیرۂ عرب کو چھوڑ کر دور کسی ملک کی طرف رختِ سفر باندھ لیتے؟ لیکن لگتا یہ ہے کہ مدینہ کے انتخاب کے پیچھے ایک راز مضمر تھا اور وہ تھا ایک اسلامی سلطنت کا قیام۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اب آنے والے احکامات مثلاً جہاد، نظامِ زکوٰۃ، حج اور دیت و قصاص وغیرہ ایسے ہیں جن کی بجا آوری یا نفاذ کے لیے مسلمانوں کے پاس ایک خودمختار سلطنت کا ہونا ناگزیر ہے۔ اور جب تک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ عقبہ پر متعدد بیعتوں کے ذریعے اہلِ یثرب سے اس بات کی یقین دہانی نہیں لی کہ وہ اپنی سابقہ تشخص کو ختم کرکے اطاعتِ رسول کے ذریعے مسلمانوں کی الگ مملکت کے قیام میں آپ کی مدد کریں گے، ہجرت کا فیصلہ مؤخر رکھا گیا۔[3]

مذکورہ بالا تصورِ دارالحرب، دارالاسلام اور دارالعہد کے مختصر تعارف سے یہ بات آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ سرحدی حدود مسلمانوں کے مشترکہ مفادات کو حصوں میں نہیں بانٹ سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہندوستان کے کسی دور دراز گاؤں میں کسی مسلمان کو گاؤ کشی کے الزام میں مارا جاتا ہے تو مراکش میں بیٹھا مسلمان آہ بھرتا ہے۔ کابل کے کسی بازار میں دھماکہ ہوتا ہے تو ملائیشیا کی مسجدوں میں مارے جانے والے افراد کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ مارچ 2019 میں جب نیوزی لینڈ کی دو مسجدوں میں دہشت گردی کا واقعہ ہوا تو پورا عالمِ اسلام غم سے نڈھال ہوگیا۔ الغرض زمینی سرحدیں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتیں۔ لیکن دوسری طرف جہاں تک اس مسلمان کا تعلق ہے جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہے اور مسلمانوں کے معاملات سے جس کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، خدا تعالیٰ کو بھی ایسے شخص سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۔۔ صحابہ "مجھے اس شخص کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں جو کافروں کے درمیان رہتا ہے" :ارشاد فرمایا پوچھنے لگے ایسا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اسلیے کہ آپ ان دونوں کی آگ میں کوئی فرق نہیں پا سکیں گے [4] یعنی صحبت کفر کی وجہ سے آپ کیلیے مشکل ہوجاتا ہے کہ آپ ان میں

---

[2] مذکورہ تمام باتوں میں سے ہر ایک کے پیچھے کوئی نہ کوئی شرعی اصول کارفرما ہے جنکے ذکر سے خوف طوالت قصدا اجتناب کیا گیا ہے۔ مثلاً نبی علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کا یہ فرمانا کہ مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں، یا شرعی قاعدہ "الغنم بالغرم" جسکا سادہ مطلب یہ ہے کہ جہاں سے آپ فائدہ لیتے ہیں وہاں نقصان کی صورت میں بھی ذمہ دار آپکو ہی ٹھہرایا جائیگا، اسی طرح سے قرآن مجید میں اللہ تبارك وتعالی کا یہ فرمانا کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو وغیرہ وغیرہ۔

[3] ملاحظہ کیجئیے: تاریخ الطبری ، محمد بن جریر, أبو جعفر الطبري 363/2

[4] ملاحظہ کیجئیے : سنن أبی داود 281/4 إمام البنانی نے اپنی کتاب سلسلة احادیث صحیحہ میں اس حدیث کو صحیح گردانا ہے ملاحظہ کیجئیے 228/2

سے اچھے لوگوں کو پہنچان سکیں[5]۔
اسلام دینی امور میں یہود ونصاری کے ساتھ ہم آہنگی کا فروغ چاہتا ہے[6] لیکن بات جب رہن سہن ، تمدن اور تہذیب کے متعلق ہوں تو اسلام سختی سے نہ صرف انکی اتباع یا مشابہت اختیار کرنے سے روکتا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیتا ہے کہ ان امور میں آپ ہمیشہ اپنی امتیازی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے ان سے الگ انداز اپنائے ۔ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " یہود ونصاری اپنے بالوں کو نہیں رنگتے تم رنگ سکتے ہو[7]. صحاح ستہ کی دوسری کتاب سنن ابی داود کی حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہودی اور عیسائی اپنے جوتوں میں عبادت نہیں کرتے تم انکی مخالفت میں ایسا کر سکتے ہو۔ [8] کتب احادیث میں ہم ایسی حدیثیں بکثرت پاتے ہیں جنمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود ونصاری کی مشابہت سے منع فرمایا۔ مزے کی بات یہ کہ یہودیوں نے نہ صرف اس بات کو محسوس کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہنے لگے کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے جو بھی بات کرتا ہے اسکا کام ہماری مخالفت ہی کرنا ہے۔ [9]
اس بیانیہ کا مقصد یہ بات واضح کرنا ہے کہ اسلام فطری طور پر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ مسلمان ایك جداگانہ حیثیت کے ساتھ بطور امت اپنی زندگیاں گزارے، ایك دوسرے کے دکھ درد میں نہ صرف شریك ہوں بلکہ وہ اس درد کو محسوس بھی کر یں۔ لیکن جب یہ صورت ممکن نہ ہوں بالخصوص اس وقت جب امت مسلمہ سرحدی خطوط میں بٹے ہوئے ہوں تو ہر اسلامی ملك پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس ملك میں آباد تمام مسلمانوں کی اجتماعی جذبات کی نمائندگی کرے[10]۔ اب اگر دنیا کے کسی کونے میں کسی مسلمان پر ظلم ہوں تو یہ بات ہرگز کافی متصور نہیں ہوگا کہ کسی ملك میں کچھ مسلمان احتجاجا سڑکوں پر نکل آئے بلکہ اب اس مسلمان ملك کی شرعی طور پر یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ حکومتی سطح پر حسب مصلحت مؤثر اقدامات اٹھائے۔
اسی طرح یہ ہر مسلمان ملک کی ذمہ داری ہے کہ وہ حدودِ الٰہی اور دیگر احکام کی بجا آوری کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نہ صرف تعاون کرے بلکہ تمام اسلامی ممالک ایک مشترکہ حکمتِ عملی کے تابع بھی ہوں۔ اور ان معاملات میں جن کا تعلق عالمی معیشت وغیرہ سے ہو، ان امور میں مسلمان ملکوں کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی ایسے نظام کا حصہ نہ بنیں جو اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں مثلاً سود، جوا وغیرہ کے خلاف ہو۔
جس طرح ایک مسلمان شخص کو غیر مسلموں کے درمیان بودوباش اختیار کرنے اور ان کے طریق و اطوار اپنانے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اسی بات کو بنیاد بنا کر یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کی جان عزیز ہے، اسی طرح اس کا مال بھی قیمتی ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مال کی حفاظت کو شریعت کے اہم مقاصد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے تو نبی نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا، وہ شہید ہے۔"[11] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کی حفاظت میں اگر جان بھی چلی جاتی ہے تو یہ جان رائیگاں نہیں جاتی۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالی عنہ مال کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مال کی حفاظت شریعت کے عظیم پانچ مقاصد میں شامل ہیں یعنی وہ مقاصد جنکا خیال رکھنے میں دین و دنیا کی عافیت پنہاں ہے اور جن سے پہلو تہی میں تباہی اور فساد

[5] مزید تشریح کے لیے ملاحظہ کیجئیے: النهاية في غريب الحديث والأثر ، ابن الأثير 177/2
[6] اس امر کی سب سے بڑی دلیل قرآن مجید سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 64 ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل کتاب کو مشترك کلمہ کی طرف دعوت دینے کے لیے کہا گیا۔
[7] ملاحظہ کیجئیے : صحیح بخاری حدیث نمبر5899، صحیح مسلم حدیث نمبر: 2103
[8] ملاحظہ کیجئیے : سنن أبی داود 105/1
[9] ملاحظہ کیجئیے : صحیح مسلم حدیث نمبر 302
[10] ملاحظہ کیجئے: واجبات الحاكم المسلم، جمال الماکبی ستمبر 9، 2010 https://www.almarakby.com/web/play-278.html
[11] ملاحظہ کیجئیے : صحیح البخاری 136/3

کے علاوہ کچھ نہیں۔[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا ہی اچھا ہے وہ مال جسکا مالک ایک نیک انسان ہو۔[13] مشہور شارح شرف الدین الحسین الطیبی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کہ اس حدیث میں مال کی عظمت بیان ہوئی ہے اور لفظ صالح استعمال ہوا ہے جسکا مخالف مفہوم یہ ہے کہ کہ اگر مال صالح نہ ہوں تو وہ فاسد مال ہوتا ہے۔ [14]

مذکورہ حدیث میں شارع نے مال کے لیے **صالح** کا لفظ بطورِ صفت لایا ہے اور یہی بات مال کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہی مال نیک یا صالح مال ہوگا جس کا فائدہ مسلمانوں کو ہوگا۔ بالفاظِ دیگر وہ مال جس کا فائدہ مسلمانوں کو نہ ہو، تو وہ مال کبھی بھی صالح کہلانے کے لائق نہیں ہوسکتا۔ اسی حدیث میں جس دوسری اہم بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہے صاحبِ مال کا اچھا ہونا۔ اچھا ہونے سے مراد صرف یہ نہیں کہ وہ شخص صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو، بلکہ ضروری ہے کہ وہ شخص یہ بھی جانتا ہو کہ اس نے مال کو کیسے بڑھانا ہے، کہاں کہاں اس کو خرچ کرنا ہے، اپنے مال کو ضائع ہونے سے کیسے بچانا ہے، اور اس کے مال کے حوالے سے اس کے حقوق اور ذمہ داریاں کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر مسلمانوں کے اموال بیرونِ دنیا کے بینکوں میں پڑے ہوں یا اپنے ملک کے بینکوں میں پڑے ہوں اور وہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے استعمال نہ ہو رہے ہوں تو ایسے مال کی شریعت کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل الشطی فرماتے ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی ثروت کا غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہونا یا ان کی وضع کردہ پالیسیوں کے تابع ہونا ہے۔[15]

آج کے دور میں یہ جاننا مشکل نہیں کہ موجودہ مالی نظام کن قوتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مزید صراحت سے اگر بات کی جائے تو دنیا میں بنیادی طور پر دو ادارے ایسے ہیں جو عالمی معیشت کے حوالے سے اصول وضوابط وضع کرتے ہیں ۔ انمیں سے پہلے ادارے کا نام انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ یعنی آئ ایم ایف ہے جبکہ دوسرا ادارہ ورلڈ بنک کہلاتا ہے ۔ جب سے یہ دونوں ادارے وجود میں آئے ہیں تب سےآج تک پہلے ادراے کا سربراہ کوئی نہ امریکی جبکہ دوسرے ادارے کا سربراہ کوئی یورپی شخص ہی بنتا چلا آرہا ہے جسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امریکہ ان دونوں اداروں کے ثروات کا سب سے بڑا حصہ دار ہے ۔ ان اداروں کی معاشی پالیسیاں امر یکی خارجہ امور سے اس قدر مربوط ہیں کہ لوگ دان اداروں کی پالیسیوں کو امریکی امور خارجہ کی سیاست کا حصہ یا پھیلاو سمجھتے ہیں ۔ [16] بات اگر ان اداروں کے امریکہ یا یورپ خارجی امور کے ہم آہنگ ہونے کی حد تک ہوتی تو تب بھی شاید ہم اس کو مشکوک نظروں سے نہ دیکھتے لیکن آپ یہ جان کر حیرت زدہ رہ جائینگے کہ ان اداروں کو عالمی طور پر قانونی استثناء بھی حاصل ہیں۔ یعنی آپ ان اداروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا اختیار نہیں رکھتے ۔ [17] جہاں تک ان اداروں کی ذمہ داریوں کے تقسیم کار کا تعلق ہے تو دونوں ہی اداروں کا کام ایسے ممالک کو قرض دینا ہے جنکو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ آئی ایم ایف عموما ان حکومتوں کو مالی امداد دیتا ہے جنکو پیسوں کی اشد ضرورت ہوتی ہیں جبکہ عالمی بینک کا کام عموما طویل مدتی منصوبوں کو فنڈ زمہیا کرنا ہوتا ہے۔ یہ تمام رقوم یا تو یہ ادارے اپنے اراکین کی طرف سے جمع کردہ رقم سے مہیا کرتے

---

[12] ملاحظہ کیجئیے : حجة الإسلام ، أبو حامد الغزالي المستصفى 276/1

[13] ملاحظہ کیجئیے : مسند أحمد 16/29

[14] ملاحظہ کیجئیے : شرح الطيبي على مشكاة المصابيح (الكاشف عن حقائق السنن) ، شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي 2607/8

[15] ملاحظہ کیجئیے : ڈاکٹر اسماعیل شطی کا مضمون عرب اخبار "الوطن" میں "التحدي الأكبر أمام قيام دولة إسلامية هو «أسلمة» النظام المعرفي القائم" کے عنوان کے تحت 11-12-2012 کو شائع ہونے والی تحریر۔

[16] ملاحظہ کیجئیے : Impoverishing a Continent: The World Bank and the IMF in Africa By Asad Ismi P. 8 ISBN 0-88627-373-0 July 2004

مزید ملاحظہ کیجئیے : https://www.imf.org/external/np/exr/chron/mds.asp
http://www.worldbank.org/en/about/archives/history/past-presidents

[17] ملاحظہ کیجئیے : قانون حصانات المنظمات الدولية 1945م وقانون الحصانات للسيادة الأجنبية 1976م

ہیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہوں تو وہ مختلف کمپنیوں سے سستے داموں سود پر قرض لے کر بھی ان مہمات پر صرف کرتے ہیں۔ [18]

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان اداروں کے قیام کا اصل مقصد مجبور ممالك کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارے کبھی بھی ایسے ممالك کی مدد کے بارے میں نہیں سوچتے جنکا دیوالیہ ہونے کا خطرہ ہو۔ بلکہ انکی ساری توجہ ایسے ممالك کی طر ف رہتی ہے جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہوں۔ اس موضوع پر متعدد تحریریں بھی دستیاب ہیں جن میں مشہور مغربی مصنف گری پلاس کی تحریں بھی شامل ہیں۔ ان کے بقول ان اداروں کے خطرناك امور میں سے ایك اہم امر وہ خفیہ شقیں بھی ہیں جنکو راز میں رکھنے کا وہ ملك پابند ہوتا ہے جو ان سے قرض لیتا ہے۔ یہ عموما ایسے شقات ہوتے ہیں جنمیں قرض لینے والے ممالك کی مستقبل کی تباہی کا سامان مخفی ہوتا ہے۔ بات یہاں تك نہیں رکتی بلکہ ان امور کی انجام دہی میں آنے والی رکاوٹوں کو دورکرنے کیلیے ہر جائز و ناجائز وسائل کو بروئے کار لینے کا بھی اس ملك کو پابند کیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود بھی اگر وہ ملك قرض ادا کرنے سے قاصر رہے تو ایسی صورت میں اس ملك میں موجود قدرتی وسائل کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ارجنٹینا اور بیونس آئرس وغیرہ اسکی زندہ مثالیں ہیں۔ [19]

ورلڈ پریس کی فروری 17، 2014 کو چھپنے والی ایك رپورٹ کے مطابق گزشتہ 14 مہینوں کے اندر دنیا کے نامی گرامی کم وبیش 40 معاشی ماہرین ایسے تھے جو پراسرار طور پر فوت ہوئے ۔ اگرچہ ان واقعات کے قتل کے خلاف براہ راست تو ان اداروں کو ملوث نہیں ٹھہرایا گیا البتہ ان واقعات نے بہت سارے لوگوں کے ذہنوں میں شکوك ضرور پیدا کیا کہ ان افراد کے قتل کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑی قوت ضرور کار فرما ہو سکتی ہے ۔ [20]

اس شبہ کو تقویت اس وقت ملی جب امریکی سابقہ صدارتی امیدوار اور سابقہ سیکٹری آف سٹیٹ ہینری کلنٹن کے ایمیلز سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ عراقی صدر صدام حسن کے قتل کا اصل محرك صدام حسین کا ملك میں موجود تیل کے ذخائر کی نجکاری سے انکار تھا[21]۔قارئین کرام اس امر سے بخوبی واقف ہونگے کہ آئی ایم ایف کے اہم شرائط میں سے ایك شرط اداروں کی نجکاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ ملك عزیز کے قومی ادارے مثلاً ریلوے، پی آئی اے وغیرہ کی نجکاری کی خبروں کے متعلق آپ عموما سنتے رہتے ہیں۔ دراصل ان اداروں کی نجکاری کا فائدہ ظاہرا تو یہی ہوتا ہے کہ یہ ادارے نقصان سے نکل کر فائدہ دینا شروع کردیتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ ان ارادوں کا خریدار اکثر ایسی ملٹی نیشنل کمپنیاں ہوتی ہیں جنکے سرے یا تو آپکو اسرائیل وغیرہ سے ملے ہوے نظر آئینگے یا کسی دوسرے فرنگی ملك سے۔ سادہ الفاظ میں اسکی تعبیر آپ یوں کر سکتے ہیں کہ ایسا کرنے سے یہ ادارے قومی ملکیت سے نکل کر غیر ملکی افراد اور کمپنیوں کی ملکیت میں چلے جاتے ہیں اور ایك وقت ایسا آتا ہےکہ ان ادروں سے قرض لینے والے ملکوں کے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں رہتا اور انکی حیثیت ایك کٹھپتلی کی سی ہو کے رہ جاتی ہے۔

عراقی صدر کا قتل صرف ایك اتفاق ہے وگرنہ تاریخ میں ایسے دیگر اور بھی متعدد واقعات ایسے ہیں

---

[18] http://www.imf.org/en/About/Factsheets/Sheets/2016/07/27/15/31/IMF-World-Bank

[19] : ملاحظہ کیجئیے Destroying Countries By Greg Palast and Phillips 2002 https://www.bibliotecapleyades.net/sociopolitica/sociopol_globalbanking208.htm

[20] Wordpress.com https://gachiyellow.wordpress.com/2015/02/17/over-40-bankers-dead-since-2014/ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کے معروف معاشی ماہر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب پر مارچ 2019 کو ہونے والے قاتلانہ حملہ کو بھی کچھ لوگ اسی پیرائے میں دیکھتے ہیں۔

[21] :ملاحظہ کیجئیے Daily Mail Online & Daily News Bin http://www.dailymail.co.uk/news/article-3277402/Smoking-gun-emails-reveal-Blair-s-deal-blood-George-Bush-Iraq-war-forged-YEAR-invasion-started.html

:مزید ملاحظہ کیجئیےThe IMF's hidden agenda by Walden Bello, a professor of sociology and public administration at the University of the Philippines http://focusweb.org/node/361

جنکو پڑھنے کے بعد یہ بات مخفی نہیں رہتی کہ ان عالمی مالی اداروں کی نظر ہر اس نظام اور فرد پر رہتی ہے جن سے ان کے وضع کردہ نظام کو خطرہ ہوں۔ لیبیا پر امریکی حملہ اور معمر قذافی کے قتل اس امر کی دوسری مثال ہے ۔ یہ بات بھی ہینری کے ہی برقی پیغامات میں تھے جن کے مطابق قذافی کو قتل کرنے کا اصل مقصد قذافی کے اس خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے سے روکنا تھا جسکے مطابق وہ معدنی سکوں کے اجراء کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اپنے اس ارادے کی تکمیل کےلیے انہوں نے 143 ٹن سونا بھی جمع کر رکھا تھا۔ [22] یہ بات یاد رہے کہ آج کے اس دور میں مسلمانوں کے خلاف کافروں کا سب سے مؤثر ہتھیار معاشی برتری ہے اور یہ برتری اسی صورت برقرار رہ سکتی ہے جب تک عالمی معاشی پالیسیاں ان کے اپنے ہاتھ میں ہوں۔

قارئین کرام ! اگر آپ زمینی حقائق اور اس موضوع کے متعلق رونما ہونے والے کچھ واقعات کا مطالعہ کریں تو آپ اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جاینگے کہ یہ ادارے کسی طور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ بلکہ یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ان اداروں کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد مسلمانوں کو اسلامی معاشی نظام سے دور رکھنا بھی ہوسکتا ہے ۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ یہ ادارے ہر اس شخص کو دشمنی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو انکی نظروں میں ایک متوازی نظام کا دعویدار ہوں اور یقینا اسلامی نظام معیشت سے بڑھ کر ان اداروں کے وضع کردہ معاشی نظام کا دوسرا کوئی نظام بڑا دعویدار ہوسکتا ۔اسی بات کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر پیٹر کہتا ہے کہ ان اداروں کا مقصد ترقی پذیر ممالک سے قدرتی وسائل کو اکھٹا کرنا اور نجکاری وغیرہ کا سہارا لیتے ہوئے وہاں موجود حکومتوں کو تا ابد اپنا غلام بنائے رکھنا ہے۔ [23]

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھّر ہوگئے پانی
مری اِکسیر نے شیشے کو بخشی سختیِ خارا
رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

قرآنِ مجید نے متعدد مقامات پر مختلف واقعات کے تناظر میں مسلمانوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی شخص یا امت کا محض مالدار ہونا اس کی خوشبختی کی علامت نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ مالک مال امین بھی ہو اور طاقتور بھی۔ قرآنِ مجید کی سورۃِ قصص میں مذکور حضرت موسیٰ کے واقعہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے، جن کے جانوروں کو کلیم اللہ پانی پلاتے ہیں۔ یہ بچیاں جب اپنے والد کے پاس جاتیں تو حضرت موسیٰ کے متعلق یوں گویا ہوتی ہیں: " بابا، اس شخص کو ہم اپنا اجیر کیوں نہ بنائیں؟ کیونکہ بہترین اجیر اس سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے جو طاقتور بھی ہو۔" [24]۔ وہ بات جو صدیوں سال قبل حضرت شعیب کی بیٹیاں سمجھ بیٹھیں کاش اس کا ادارک امت مسلمہ کے آج کے دانشور کرتے۔ حضرت شعیب کی بیٹیوں کے مطابق صرف وہی شخص اجیر بننے کے لائق ہیں جو طاقتور بھی ہوں اور امانتدار بھی۔ طاقت کا تقاضہ یہ تھا کہ حضرت

[22] : ملاحظہ کیجئیے Clinton Email Shows that Oil and Gold Were Behind Regime Change In Libya by George Washington http://www.zerohedge.com/
مزید ملاحظہ کیجئیے : https://wikileaks.org/clinton-emails/emailid/6528

[23] : ملاحظہ کیجئیے The Impact of World Bank and IMF Programs on Democratization in Developing Countries by Katharina Michaelowa University of Zurich September 2010 www.researchgate.net
IMF And World Bank As Mechanisms To Eliminate Gold by Dr. Dr PeterPalms Oct. 9, 2015 http://www.thomhartmann.com/users/dr-peterpalms/blog/2015/10/imf-and-world-bank-mechanisms-eliminate-gold
مزید ملاحظہ کیجئے: The Impact of World Bank and IMF Programs on Democratization in Developing Countries by Katharina Michaelowa University of Zurich September 2010 www.researchgate.net

[24] سورۃ القصص آیت نمبر 26

موسی لوگوں کے درمیان جا کے ان دو کمزور لڑکیوں کو اپنا حق دلوائے اور امانتداری کا تقاضہ یہ تھا کہ اس خدمت کے عوض وہ انسے کسی شيء کا مطالبہ نہ کرتے۔ اور ایسا ہی حضرت موسی نے کر کے دکھایا تھا۔ اور بالکل اسی مفہوم میں بات ملك مصر نے حضرت یوسف کے بارے میں بھی کی جب اس نے حضرت یوسف میں ان صفتوں کامشاہدہ کیا۔ کہنے لگے (إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ)"[25] ترجمہ: " آج سے ہمارے ہاں تو بڑا معزز اور معتبر ہے"۔ یہاں پر ایك طرف تو اس بات کی اہمیت واضح ہورہی ہے کہ ملکی خزانہ یا اقتصادیات کا معزز اور امانتدار ہاتھوں میں ہونا ضروری ہے تو دوسری طرف جو اس سے بھی زیادہ اہم پیغام اس عبارت کے پس منظر میں ملتا ہے وہ ہے حضرت یوسف کا اس عہدہ کو طلب کرنا ہے۔ شریعت محمدی کے مطابق لوگوں کو انکی صلاحیتوں کے مطابق عہدہ تفویض کیا جاتا ہے نہ کہ کسی کے طلب کرنے پر اسے دیا جاتا ہے[26]حضرت یوسف کا اس عہدہ کا مطالبہ کرنا بظاہر یہی بتاتا ہے (واللہ تعالی اعلم) کہ انکی نظروں میں اس عہدہ کی بہت اہمیت تھی یہ تو مشیئت ایزدی تھی کہ بعد میں یہی عہدہ انہیں اپنے بھائیوں سے ملانے کا سبب بنا۔ اسی طرح وہ کوئی اور وزارت بھی تو مانگ سکتے تھے جس میں کم مشقت ہوں۔

سورۃ الحج آیت نمبر 41 اللہ تبارك وتعالی صحیح مسلمان حکمرانوں کی طرف خاص طور پر اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔(الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ) ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم انکو زمین میں مستحکم کریں تو یہ نماز قائم کریں گے زکاۃ دینگے ہر اچھائی کا حکم دینگے اور ہر برائی سے لوگوں کو روکیں گے" ۔ اگر آپ اس آیت کو موجودہ تناظر میں پرکھیں تو کیا آپکو کوئی بھی ایسا مسلمان ملك دکھائی دیتا ہے جو ان ذمہ داریوں کوکما حقہ ادا کر رہے ہوں۔ ایك حکمران جسکا ملك غیر اسلامی معاشی پالیسیوں کے زیر تابع ہوں اور جسکے اپنے اداروں کے مالك اغیار ہوں ایسی آیت کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام میں حاکم اس امت کا ایك فرد متصور ہوتا اور وہ تمام شرعی احکامات اسی طرح سے ایك حاکم پر بھی لاگو ہوتے ہیں جو ایك عام آدمی پر ہوتا ہے۔ اسلام میں حاکم یا والی بنانے کا مقصد یا ہدف اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ شرعی احکامات کا جسکا وہ خود بھی پابند ہے بہتر طریقے سے تنفیذ کر سکے۔ لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ اسلام میں حاکم یا والی کی اتنی اہمیت نہیں بلکہ بالعکس اگر صرف تین عدد مسلمان بھی کہیں سفر کر رہیں ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ضروری قرار دیا کہ وہ اپنے میں سے ایك کو أمیر مقرر کرے[27]۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہاں تین افراد کے نظام کو چلانے کے لیے ایك امیر کا ہونا ضروری ہے تو وہاں ایك مسلمان ملك کا معاشی نظام چلانے کے لیے ایك طاقتور ، امانتدار، اور باصلاحیت مسلمان حاکم کا ہونا کس قدر ضروری اور ناگزیر ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کو ایك کمزوز مسلمان کی بنسبت طاقتور مسلمان زیادہ پسندیدہ ہے۔ [28]
اللہ تبارك وتعالی نے یہاں امیری یا دولت کا ا لفظ استعمال نہیں بلکہ قوت کا لفظ کا استعمال کیا ہے جو اپنے اندر ایك وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور قوت سے سے مراد دنیا اور آخرت سے متعلقہ وہ تمام امور شامل ہیں جنکا دین اسلام متقاضی ہے۔[29] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لفظ قوۃ کی ایك جگہ پر تشریح کرتے ہوئےفرماتے ہیں کہ قوت کا تعلق حکم یعنی لاء اینڈ آرڈر سے ہوتا ہے اور کتاب الہی اور سنت نبوی دونوں اسی بات پر بہت تأکید کرتی ہیں۔[30] مذکورہ حدیث میں رسول اللہ

---

[25] سورۃ یوسف آیت نمبر 54

[26] حضرت ابوہریرۃ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم کسی کو اسکے مانگنے پر یا تتمنی کرنے پر ولایت نہیں دیتے۔ ملاحظہ کیجئے: صحیح مسلم 1456/3

[27] ملاحظہ کیجئے: سنن أبی داود 367/7

[28] ملاحظہ کیجئیے : صحیح مسلم 2664

[29] ملاحظہ کیجئیے : شرح صحیح مسلم 215/16

[30] ملاحظہ کیجئیے : مجموع الفتاوی 253/28

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسلمان امیر شخص کا موازنہ کسی غیر مسلم شخص سے نہیں کیا بلکہ دو سچے مسلمانوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے فرمایا کہ طاقتور مسلمان کمزور مسلمان کی نسبت اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ ایک مسلمان ملک جہاں پینے کے پانی سے لیکر دوائیوں تک سب غیرملکی کمپنیوں کے ہاتھوں میں ہوں کیا وہاں کا حکمران قوی ہوگا۔ ایک دور تھا جب کوئی مسلمان مقروض فوت ہوجاتا تو حاکم وقت اسوقت تک اسکو دفنانے نہیں دیتا جب تک وہ خود یا بیت المال حرکت میں آکر اسکا قرض ادا نہ کرے[31] ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا " میں مؤمنین کے لیے اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں چنانچہ جو بھی (مسلمان) فوت ہوجائے اور اسکے ذمہ ایسا قرض ہو جسکو پورا کرنے کے اسکے اوقات نہ ہوں اسکی ادائگی ہم پر ہے۔ اگر وہ مال چھوڑ کر فوت ہوجائے تو اسکا مال اسکے اپنے ورثاء کے لیے ہے"[32]۔

اب تک کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ضروری ہے کہ اسلامی معاشی نظام مسلمانوں کے ہی ہاتھوں میں ہو۔ لیکن اس سے یہ بھی مراد نہیں کہ اسلامی دنیا میں کاروبار کا حق صرف مسلمان یا مسلمان کمپنیوں کا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے ہر روشن دور میں اسلامی بازاروں میں غیر مسلم بیوپاریوں کی کوئی کمی نہیں رہتی تھی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی مسلمان ملک میں غیر مسلم افراد کاروبار کرنے میں آزاد ہیں۔لیکن اگر آپ اسی اعتراض کو آج کے قانونی تناظر میں دیکھیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ اعتراض اس قدر بے جا بھی نہیں ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے قوانین ان کمپنیوں یا کاروباری اداروں کے ساتھ ایک انسان جیسا برتاؤ کرتے ہیں، یعنی جس طرح ایک انسان کی شخصیت ہوتی ہے، اسی طرح ان کمپنیوں کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہاں شخصیت سے مراد صرف ان کی پہچان نہیں بلکہ اس شخصیت کے اعتراف کے ساتھ ایسی کمپنیوں میں یہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں خود سے نبھا سکیں اور اپنے حقوق کا مطالبہ بھی کرسکیں۔ یعنی اب یہ ادارہ اس نئی شناخت کے ساتھ کسی پر مقدمہ قائم کرسکتا ہے اور اپنے خلاف کسی مقدمہ کا سامنا بھی کرسکتا ہے۔ [33] اور جب کسی بھی قالب میں خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی جب حقوق لینے اور واجبات ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے تو شریعت کے احکامات اس پر لاگو ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور جہاں کوئی قالب خواہ وہ انسان کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں ان صفات سے عاری ہوں تو شریعت کے احکامات کا وہ پابند نہیں ٹھہر سکتا۔

جہاں تک اسلامی ملک میں قائم کردہ کسی بھی مقامی یا غیر مقامی کمپنی یا کاروباری ادارے کا تعلق ہے تو قانون کی روشنی میں یہ قانونی اشخاص کہلاتے ہیں اور نتیجتاً ان پر بھی ہر وہ حکم لاگو ہوتا ہے جو معاشرہ میں کسی ایک عام انسان پر ہوتا ہے ماسوائے ان احکامات کے جنکا تعلق جنس/فطرت انسان کے ساتھ خاص ہوں مثلا نماز روزہ حج اور ایمانیات وغیرہ . [34] لیکن ان امور سے ہٹ کر باقی وہ تمام ذمہ داریاں جنکا تعلق ایک انسان کا دوسرے انسان یا معاشرہ کے ساتھ ہوتا ہے ان سب میں شخص قانونی/اعتباری داخل ہوتا ہے۔ وگرنہ عین ممکن ہے ایک شخص ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کیلیے شخص اعتباری کا لبادہ اوڑھے اور مثلاً یوں کہے کہ جو مال اس نے اپنی کمپنی کے ذریعہ کمائے ہیں اس پر وہ زکاۃ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ اسکی کمپنی کی کمائی ہے نہ کہ اس کی، وغیرہ وغیرہ۔

خلاصۃً یہ بات ہمارے سامنے آئی کہ جہاں ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت یہ کوشش

---

[31] اس دور میں بیت المال براہ راست حکومت کے ما تحت ایک ادارہ ہوتا تھا اسکے اپنے باقاعدہ حقوق اور واجبات ہوتےتھے ملاحظہ کیجئیے : (الدر المختار مع حاشية ابن عابدين (439/4) ، والأشباه والنظائر لابن نجيم ص 194- 202).

[32] ملاحظہ فرمائیے: صحيح الجامع الصغير وزيادته، محمد ناصر الدين الألباني 304/1

[33] ملاحظہ فرمائیے: Elizabeth A. Martin (2003). Oxford Dictionary of Law (7th ed.). Oxford: Oxford University Press. ISBN 0198607563.

[34] ڈاکٹر علی محیی الدین القره داغي : ملاحظہ کیجئیے http://www.qaradaghi.com/chapterDetails.aspx?ID=581

کرے کہ وہ اپنے آپ کو دائرہ اسلام کے دور کرنے والے کاموں سے دور رکھے، اس بات سے کئی گنا زیادہ یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ جس نظام کی مسلمان بطورِ ملک اور امت اتباع کرتے ہیں، اس کا محور بھی دائرہ اسلام کے اندر ہی ہوں۔ کوئی شخص ہرگز اس گمان میں نہ رہے کہ اگر اسلام نے دنیا کے کسی نظام کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے اس نظام کو قبول کیا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں اسلام نے اپنا نظام دیا ہے۔ اسلام نے یہ کبھی نہیں کہا کہ عیسائیوں میں یہ فلاں فلاں خرابی ہے، باقی ٹھیک ہے، یا یہودیوں میں فلاں فلاں بیماری ہے، باقی ٹھیک ہے، یا بت پرست اگر بت پرستی سے باز آئے تو وہ دنیا کی بہترین قوم بن سکتی ہے۔ مسلمانوں میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے دنیا کو اپنا کوئی معاشی نظام نہیں دیا۔
اسلام جس نے بیت الخلاء جانے تک کے آداب بتائے ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مذہبِ معاشیات کے متعلق خاموش ہوں۔ یہ اسلام ہی تو ہے جس نے جانوروں اور زمینوں تک کے حقوق کا بھی تعین کیاہاں، یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ شاید اسلام یہ نہیں چاہتا کہ آپ اپنا وقت دوسرے نظاموں میں موجود خوبیوں اور خامیوں کو گنوانے میں گزاریں، بلکہ یہ آپ سے تقاضا کرتا ہے کہ آپ اسلامی معاشی نظام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ نظام اصولوں سے بنتا ہے۔ نظام وقت کے تابع ہوتا ہے، جبکہ اصول وقت کے قید سے ہمیشہ آزاد رہتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ اصولوں کی بات کی ہے، نہ کہ نظاموں کی۔ اور یہ تمام اصول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے گئے، جو جوامع الکلم کی صورت میں ملتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ، بجائے اس کے کہ آج کے مسلمان اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر اپنا نظام متعارف کروائیں، اس تگ و دو میں لگے دکھائی دیتے ہیں کہ ہم کیسے ایک سودی ادارے کو (جس کی بنیاد ہی سودی نظام پر استوار ہو) کیسے سود سے پاک کر سکتے ہیں۔ کافی تگ و دو اور حیلہ اور مصلحہ شرعیہ کا سہارا لینے کے باوجود بھی، جب وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام میں تو ایسے ادارے کی سراسر کوئی گنجائش ہی نہیں، تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ حضرات "عموم بلوی" کا سہارا لیتے ہوئے ان غیر اسلامی نظاموں کو جواز کا فتوٰی فراہم کرتے ہیں۔

بالآخر اس پوری بحث سے یہ حقیقت نہایت وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ ایک مسلم حکمران کا اصل منصب محض سیاسی انتظام و انصرام تک محدود نہیں بلکہ وہ ایک ہمہ جہتی امانت ہے جس میں معاشی پالیسیاں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلام کی رو سے دولت کی حفاظت، معاشرتی بھلائی، اور امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات کا تحفظ کسی بھی مسلمان حاکم کے فرائض میں شامل ہے۔ آج کی دنیا میں جب بین الاقوامی مالیاتی ادارے سودی نظام، نجکاری کے جال، اور معاشی انحصار کی زنجیروں کے ذریعے کمزور ریاستوں کو اپنے ماتحت رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے وقت میں مسلم حکمران کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے کہ وہ نہ صرف ان غیر اسلامی دباؤوں کا ادراک کرے بلکہ حکمت، قوت اور امانت کے ساتھ اپنی قومی و دینی معاشی خودمختاری کا دفاع بھی کرے۔ قرآنی نصوص اور سیرتِ نبوی کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ معاشی نظام کے بغیر نہ عدل قائم ہو سکتا ہے اور نہ امت کی بقا ممکن ہے۔ تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے معاشی سطح پر استقلال اور خودمختاری اختیار کی، وہ دنیا میں عزت و سربلندی کے مالک رہے۔ لیکن جیسے ہی ان کا اقتصادی اختیار غیر مسلم قوتوں کے ہاتھ میں گیا، زوال اور کمزوری ان کا مقدر بنی۔ لہٰذا آج امتِ مسلمہ کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنی معاشی پالیسیوں کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ازسرنو استوار کرے، اور مسلم حکمران اپنی اصل ذمہ داری کو پہچانتے ہوئے ایسا نظام تشکیل دیں جو نہ صرف سود اور استحصال سے پاک ہو بلکہ امت کو طاقت، وقار اور حقیقی آزادی بھی فراہم کرے۔